Studybeesofficial

Where Minds Pollinate

Urdu Class#11 FBISE

غزل # 1

National Book Foundation

Follow Our Socials
studybeesofficial
studybeesofficialpak
studybeesofficialpak

CamScanner

غزل: میر تقی میرؔ

تشریح

شعر نمبر ۱: پتا پتا، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

studybeesofficial

CamScanner

مفہوم : میری زندگی کی حالت اور جذبات کی کیفیت اتنی واضح ہے کہ ہر کوئی اس سے واقف ہے لیکن اگر کوئی بے خبر ہے تو وہ میرا محبوب ہے جس کی بے رخی عروج پر ہے۔

تشریح :

میر تقی میر دبستانِ دلی کے نمائندہ شاعر ہیں انھیں خدائے سخن کہا جاتا ہے۔ درد و غم ان کی شاعری کا بنیادی موضوع ہے۔ داخلیت، ندرت و انفرادیت، سادہ زبان، پر تاثیر لہجہ، منفرد تشبیہات و استعارات اور مترنم بحروں کا استعمال ان کی شاعری کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میر کے مشہور ترین اشعار میں شامل ہے جس میں اس نے استعاروں کی مدد سے عاشق کی کیفیت اور محبوب کی بے رخی و بے اعتنائی کو بہت خوبی سے پیش کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ باغ کا ہر پتا اور بوٹا میرے حال سے واقف ہے لیکن گل جو کہ باغ کی سب سے خوب صورت چیز ہے وہی میرے حال سے بے خبر ہے۔ یہاں شاعر نے گل کا استعارہ اپنے محبوب کے لیے استعمال کیا ہے۔ پتا اور بوٹا ارد گرد کے تمام لوگوں اور باغ کا استعارہ اپنے گرد و نواح کی دنیا کے لیے استعمال کیا ہے۔ استعارات کا پردہ چاک کرنے پر شعر کا اصل حسن سامنے آتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میرے دل کا حال اور جذبے کی شدت اتنی واضح اور نمایاں ہے کہ میرے ارد گرد موجود ہر شخص پر میرے دل کی کیفیت عیاں ہے لیکن یہ کیفیت جس کی وجہ سے ہے یعنی میرا محبوب وہی اس سے بے خبر ہے۔ گویا محبوب کی بے حسی اور عاشق کی بے بسی کا حال سادگی اور روانی سے بیان کیا گیا ہے۔ اردو کی روایتی شاعری میں محبوب کی بے رخی کا ذکر کرنا ایک عام موضوع ہے لیکن میر کی منفرد انداز نے اسے بے مثال بنا دیا ہے۔ عشق کے راستے میں عاشق جو تکلیفیں بھی اٹھاتا ہے اسے امید ہوتی ہے کہ اس کا حال دیکھ کر محبوب کا دل موم ہو جائے گا لیکن محبوب اپنی ازلی لاپروائی اور بے نیازی کا مظاہرہ کرتا ہے کہ جیسے وہ کچھ جانتا ہی نہیں۔

بقول غالبؔ — ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

مومنؔ نے محبوب کی بے توجہی کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا

زیرِ تشریح شعر غزل کا مطلع ہے جو موسیقیت اور روانی میں اپنی مثال آپ ہے۔ استعاراتی انداز شعر کی جان ہے، صنعتِ تکرار کا عمدہ استعمال کیا گیا ہے، پتا پتا، بوٹا بوٹا کی تکرار ترنم میں اضافہ کرتی ہے۔ گل کی مناسبت سے باغ، پتا اور بوٹا کے الفاظ لا کر مراعاۃ النظیر کو بخوبی برتا گیا ہے۔

شعر نمبر ۲ : آگے اس متکبر کے ہم خدا خدا کیا کرتے ہیں
کب موجود خدا کو وہ مغرور خود آرا جانے ہے

مفہوم : ہم اس متکبر کے سامنے بے بسی اور عاجزی سے خدا کو یاد کرتے ہیں لیکن وہ اپنے تکبر اور خود پرستی میں خدا کی موجودگی کا احساس بھی نہیں رکھتا۔

تشریح :

اس شعر میں میر کہتے ہیں کہ ہمارا محبوب بہت متکبر اور خود پرست ہے اور اپنے حسن پر اتنا مغرور ہے کہ وہ ہمیں تو کیا کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا اور ہم ہیں کہ اس کے سامنے ہر دم خدا کا ذکر، خدا خدا کرتے چلے آتے ہیں لیکن غرورِ حسن میں وہ اتنا چور ہو چکا ہے کہ وہ تو خدا کے ہونے کے احساس سے بھی عاری دکھائی دیتا تو ہمیں کیا اہمیت دے گا، ہم اس کے سامنے کیا حیثیت رکھتے ہیں، اسے اپنے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

مومنؔ کے بقول — کیوں سنے عرضِ مضطرب مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

"خدا خدا کیا کرتے ہیں" کا ایک اور پہلو بھی ہے کہ "خدا خدا کرنا" محاورہ ہے جس کے معنی توبہ کرنا یا ڈرتے رہنا کے ہیں یعنی محبوب کے تکبر کو دیکھ کر ہم ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ہم خود بھی ایسی گمراہی میں نہ جا پڑیں۔ دوسرے مصرعے میں "خود آرا" سے مراد خود کو بنانے سنوارنے والا یعنی خود پسند شخص جو محبوب کا خاص وصف

studybeesofficial
CS CamScanner

ہے، اسے اپنی خود پسندی میں کسی کے دکھ درد کا کوئی احساس نہیں، ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ خدا کے ہونے کے احساس سے بھی ناآشنا ہے ورنہ کبھی تو اس کے تکبر اور ناز و ادا میں کوئی کمی آتی۔

بقول شاعر : اترا نہ رخشِ ناز سے تو خاک ہو گئے

کیا کیا نیاز پیشہ تیری رہ گزار میں

زیرِ تشریح شعر کا معاشرتی پہلو دیکھا جائے تو میرؔ نے اپنے دور کے صاحبانِ اقتدار اور نوابین پر چوٹ کی ہے جو اپنے تکبر اور خود پرستی میں خدا کو بھلا بیٹھے ہیں اور جواب دہی کے ہر احساس سے عاری ہیں۔ اس شعر میں یہ پیغام بھی موجود ہے کہ جو انسان تکبر اور خود پرستی میں مبتلا ہو جائے وہ کائنات میں جا بجا بکھری خدا کی نشانیوں کو دیکھنے سے قاصر رہتا ہے، معرفتِ الٰہی کے لیے غرور و تکبر کو ترک کر کے عاجزی اختیار کرنا ضروری ہے۔

اس شعر میں خدا خدا کرنے کے دو پہلو ہیں گویا رعایتِ لفظی کا استعمال کیا گیا ہے اس کے علاوہ اسے تکرارِ لفظی کے ضمن میں بھی دیکھا جا سکتا ہے جس سے شعر میں ترنم پیدا ہوتا ہے۔

شعر نمبر ۳ : عاشق سا تو سادہ کوئی اور نہ ہو گا دنیا میں

جی کے زیاں کو عشق میں اس کے اپنا وارا جانے ہے

مفہوم : عاشق جیسا معصوم اور سادہ تو دنیا میں کوئی اور نہ ہو گا کہ جو عشق کی راہ میں اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہے اور اسے بھی اپنا فائدہ ہی خیال کرتا ہے۔

تشریح :

اس شعر میں میرؔ نے عاشق کی نفسیات کو عمدگی سے پیش کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ بھلا عاشق سے بڑھ کر بھی دنیا میں کوئی سادہ، معصوم اور بھولا ہوتا ہے جو عشق میں اپنی جان قربان کرنے کو بھی اپنا نفع ہی خیال کرتا ہے۔ وہ عشق کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹانے کو ہر دم تیار رہتا ہے۔ یہ عشق جس میں اسے ہر وقت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ذلت اس کا مقدر بن جاتی ہے، محبوب کی بے رخی اور سنگ دلی اسے ہر قدم پر ناکامی سے ہمکنار کرتی ہے لیکن وہ ہے کہ بے غرض اور بے لوث جذبہ رکھتا ہے اور عشق میں اپنی ذات کو بھی بھول جاتا ہے اور محبوب کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار رہتا ہے۔ یہ رویہ اس کی محبت کی شدت اور خلوص کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کے لیے محبوب کا حصول یا عشق میں کامیابی ہی منزلِ مقصود نہیں بلکہ یہ ایک ایسی بازی ہے جس میں اس کے لیے اس کی جان کی بھی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

بقول فیض : گر بازی عشق کی بازی ہے ، جو چاہو لگا دو ڈر کیسا

گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

گویا عشق میں قربانی دینا ایک عاشق کے لیے باعثِ سعادت ہے وہ اپنی ذات کو نظر انداز کر کے صرف محبوب کی رضا چاہتا ہے اور اس کے لیے زندگی کی آخری سانس تک کوشاں رہتا ہے۔

شعر نمبر ۴ : چارہ گری بیماری دل کی رسمِ شہرِ حسن نہیں

ورنہ دلبر ناداں بھی اس درد کا چارہ جانے ہے

مفہوم : محبت کے درد کا علاج کرنا حسن کے شہر کی روایت ہی نہیں ورنہ میرا نادان محبوب بھی اس درد کا علاج جانتا ہے۔

تشریح :

اس شعر میں شاعر نے محبوب کی بے رخی اور عاشق کی کیفیت کو بہت عمدہ طور پر بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ دل کی بیماری کا علاج کرنا حسن کے شہر کا رواج ہی نہیں ہے، اس شہر میں عاشق ہمیشہ درد سہتے آئے ہیں اور نامراد ہی رہے ہیں۔

بقول شاعر : اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا

رنج راحت فزا نہیں ہوتا

studybeesofficial

CamScanner

گویا حسن کے شہر میں محبت میں کھائے ہوئے زخموں کا علاج کرنے کی روایت ہی نہیں، اگر ایسی کوئی روایت ہوتی تو میرا نادان سا محبوب بھی میرے درد کا علاج کر دیتا کیوں کہ وہ اس درد کا علاج جانتا ہے۔ یہاں "دلبر ناداں" کہہ کر شعر میں لطف پیدا کیا گیا ہے یعنی میرا محبوب جو بظاہر نادان اور بھولا بھالا دکھائی دیتا ہے یا نا سمجھ اور بے خبر بنتا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ اس کا لطف و کرم ہی میرے درد کا چارہ ہے لیکن وہ "رسمِ شہرِ حسن" کی وجہ سے ایسا نہیں کرے گا۔ شاعر نے یہاں محبوب کی ازلی لاپروائی اور عدم دلچسپی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں عاشق کی کیفیت اور محبوب کی بے نیازی کا یہ بیان میر کی شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔ دلی جذبات اور احساسات کے اظہار میں میر کو مہارت حاصل ہے۔ چارہ گری، بیماری دل، درد اور چارہ جیسے الفاظ کے ذریعے صنعتِ مراعاۃ النظیر کا عمدہ استعمال کیا گیا ہے۔ شعر کی روانی اور ترنم لاجواب ہے۔

شعر نمبر ۵ : مہر و وفا و لطف و عنایت ایک سے واقف ان میں نہیں
اور تو سب کچھ طنز و کنایہ، رمز و اشارہ جانے ہے

مفہوم : میرا محبوب مہر و وفا، لطف و عنایت جیسی صفات میں سے کسی ایک سے بھی واقف نہیں اس کے برعکس طنز و کنایہ، رمز و اشارہ سے بخوبی واقف ہے اور انھیں بے تکلف برتتا ہے۔

تشریح :

اس شعر کے پہلے مصرعے میں شاعر نے چند اعلیٰ انسانی صفات کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ میرا محبوب ان میں سے کسی ایک صفت سے بھی واقف نہیں، نہ تو محبت اور وفا سے اس کا کوئی تعلق ہے اور نہ نرمی اور مہربانی جیسے جذبات ہی اس میں موجود ہیں اس کے برعکس اس میں طعنے دینا، اشارے کنائے میں تکلیف دہ باتیں کرنا، ملامت کرنا جیسے منفی جذبے بھرپور پائے جاتے ہیں اور وہ ان سے بخوبی کام بھی لیتا ہے۔

بقول شاعر : ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

زیرِ تشریح شعر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آج کے زمانے میں لوگوں کے دل محبت، وفاداری، نرمی اور مہربانی جیسے جذبات سے خالی ہو چکے ہیں، ان کے پاس صرف طنز و کنایہ، ملامت جیسے منفی رویے ہی باقی رہ گئے ہیں۔ یہ شعر انسانی رویوں کی پستی کو بیان کرتا ہے جہاں اعلیٰ انسانی صفات سے محرومی اور منفی رویوں کی اجارہ داری دکھائی دیتی ہے۔ خلوص اور مروت جو انسانی تعلقات میں مضبوطی کے لیے ضروری ہیں، ناپید ہو چکے ہیں لہٰذا معاشرہ بتدریج زوال کی جانب گامزن ہے۔ اس صورتِ حال میں ہمیں تعلقات میں استحکام کے لیے مثبت رویوں کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

شعر نمبر ٦ : کیا کیا فتنے سر پر اس کے لاتا ہے محبوب اپنا
جس بے دل، بے تاب و تواں کو عشق کا مارا جانے ہے

مفہوم : محبوب اپنے عاشق کو طرح طرح کی پریشانیوں اور آزمائشوں سے ہمکنار کرتا ہے اور یہ دکھ درد صرف عشق کے زخم کھایا ہوا شخص ہی جان سکتا ہے جو ان فتنوں کے سبب غمگیں، کمزور اور بے حوصلہ ہو چکا ہے۔

تشریح :

شاعر نے اس شعر میں عاشق کی کیفیت کو بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ محبوب اپنے عاشق پر کیا کیا فتنے لاتا ہے یعنی اسے آزمائشوں سے دوچار کرتا ہے، طرح طرح کی مشکلات اور پریشانیوں کا بوجھ ڈالتا ہے جو عاشق کے لیے مسلسل اذیت کا سامان اور کرب کا باعث بنتی ہیں، اس کی زندگی مشکل سے مشکل تر ہوتی چلی جاتی ہے، وہ ان آزمائشوں کا مقابلہ کرتے کرتے نڈھال ہو جاتا ہے۔ عاشق جو پہلے ہی عشق کی وجہ سے رنجیدہ، بے تاب اور کمزور ہو چکا ہے مگر پھر بھی ہر فتنے کا سامنا کرتا ہے کیوں کہ ان کا تعلق اس کے محبوب سے ہے لہٰذا اسے عزیز ہیں۔ اس کی یہ کیفیت عشق کی شدت کو ظاہر کرتی ہے اور یہی شدت اسے تمام تر آزمائشوں سے گزرنے اور ہر مشکل کو جھیلنے کے قابل بناتی ہے۔ وہ کس طرح ان کیفیات سے گزرتا ہے اور پھر بھی ثابت قدم رہتا ہے، اسے وہی سمجھ سکتا ہے جو خود بھی عشق میں مبتلا ہو۔

بقول شاعر : اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں
تیرے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

CamScanner

شعر نمبر ۷ : تشنہ خوں ہے اپنا کتنا میرؔ بھی ناداں تلخی کش
دم دار آبِ تیغ کو اس کے آبِ گوارا جانے ہے

مفہوم : میر ستم سہنے کا اتنا عادہ ہو گیا ہے کہ وہ خود بھی اپنے خون کا پیاسا ہے اسی لیے محبوب کی تلوار کی تیز دھار سے بہنے والے خون کو وہ من بھاتا مشروب سمجھ کر پی جاتا ہے۔

تشریح :

شاعر اس شعر میں کہتا ہے کہ میر مسلسل غم سہتے سہتے خود اذیتی کے مرحلے میں داخل ہو گیا ہے وہ اتنا ناداں اور نا سمجھ ہے کہ اپنے ہی خون کا پیاسا ہے اور اپنے محبوب کی تیز دھار سے نکلنے والے خون کو بھی پینے کے قابل پانی سمجھتا ہے۔ اپنے خون کا پیاسا ہونا کنایہ ہے جو انتہائی مایوسی اور غم کی حالت کو بیان کرتا ہے گویا انسان ایسی کیفیت میں ہے کہ اب باقی تمام ذرائع اور اسباب ختم ہو چکے ہیں، مایوسی اور غم کی شدت اسے اپنا ہی نقصان برداشت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ میر آپ نے ایک شعر میں غم کی کیفیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں : اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لوہو آتا ہے جب نہیں آتا

غم کی کیفیت کا بیان میر کی شاعری میں نمایاں ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول : میر کی شاعری کا سب سے بڑا موضوع اس کا غم ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق کہتے ہیں : میر کا ہر شعر ایک آنسو اور ہر مصرع خون کی ایک بوند ہے۔

زیرِ تشریح شعر میں میر نے اپنی ذات کو مثال بنا کر اس بات کو بیان کیا ہے کہ کس طرح تلخی اور درد انسان کو ناداں بنا دیتے ہیں اور وہ ایسی چیزوں کی طلب کرنے لگتا ہے جو اسے مزید نقصان پہنچا سکتی ہیں مزید یہ کہ انسان مسلسل غم سہتے سہتے اس کا عادی ہونے لگتا ہے اور اس کیفیت میں بھی اسے لطف آنے لگتا ہے۔

بقول شاعر : پی جا ایام کی تلخی کو بھی ہنس کر ناصرؔ
غم کو سہنے میں بھی قدرت نے مزا رکھا ہے

studybeesofficial

CS CamScanner